سوال نمبر 2 (الف) (i) **مرزا صاحب کے مطالعے کا معمول:**

مرزا محمد سعید جیسی با مروت اور صاحب علم شخص کو مطالعۂ کتب کا بے حد شوق تھا - اس لیے ان کا معمول تھا کہ وہ گھنٹوں تک مطالعۂ کتب کرتے - اسی وجہ سے ان کے ذاتی کتب خانے میں ہر طرح کی کتاب موجود تھی - وہ اس لیے بھی کرتے کیونکہ وہ ایک استاد تھے -

سوال نمبر 2 (الف) (ii) مرزا صاحب کے کا مطالعۂ کتب کرنے کی وجہ :

مرزا احمد سعید چونکہ ایک استاد اور ادیب تھے اس لیے
وہ کتابوں سے اپنا تعلق مضبوط رکھتے تاکہ انگریز
پروفیسروں کے آگے ٹھہر سکیں ۔ چونکہ ان کے تمام
ساتھی اساتذہ کرام انگریز تھے اس لیے وہ بھی کتابوں
کے مطالعے کو وقت دیتے ۔ تاکہ دوران کام یا گفتگو کوئی
ایسی بات نہ ہو جس کا علم مرزا محمد سعید صاحب کو
نہ ہو ۔

سوال نمبر 2 (الف) (iii) **مطالعۂ کتب نہ کرنے کا انجام:**

مرزا محمد سعید کے مطابق اگر وہ مطالعۂ کتب نہ کرتے
تو وہ اپنے ساتھی انگریز پروفیسروں کے آگے نہ ٹھہر سکتے
تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ان کے پاس علم کی
کمی ہوتی تو وہ بطور استاد انگریزوں کے سامنے
شرمندگی اٹھاتے۔ اسی لیے وہ گھنٹوں تک کتابوں کا
مطالعہ کرتے اور اپنے علم کی حاصل کرنے کی پیاس
بجھاتے۔ وہ علم کے معاملے میں ہر وقت باخبر رہنا چاہتے تھے اس لیے
کتابوں کا مطالعہ کرتے۔

سوال نمبر 2 (الف) (iv)

مختلف کتابوں کی ~~خریدو~~ خریدنا :-

مرزا محمد سعید کی پنشن کا زیادہ حصہ مختلف النوع و اقسام کی کتابیں خریدنے میں صرف ہوا۔ یہ انھوں نے اس لیے کیا کیونکہ مطالعۂ کتب ان کا مشغلہ تھا اور وہ یہ بہت شوق سے کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مطالعۂ کتب کی ایک ادیب اور صاحب علم شخص کی زندگی میں کافی اہمیت ہوتی ہے اس لیے بھی مرزا صاحب نے پنشن سے کتابیں خریدیں۔

....

سوال نمبر 2 (الف) (v)

مرزا صاحب کی زندگی:

مرزا صاحب بڑے بامروت اور بااصول انسان تھے۔
اس وجہ سے ان کی زندگی بہت سادگی سے گزری
کیونکہ انھوں نے کبھی بھی شہرت کے لیے کام نہ کیا
بلکہ ذاتی تسکین کے لیے کام کیا۔ وہ خوش لباس
خوش مزاج اور خوش انسان تھے۔ انھوں نے
کبھی بھی عوامی پلیٹ فارم پر آنا پسند نہ کیا۔ اور اسی
سادگی سے موت کی آغوش میں چلے گئے۔

ی

سوال نمبر 2 (الف) (vi) گھر کا آرام میسر ہونے سے مراد:

مرزا محمد سعید بڑے سیدھے سادھے انسان تھے۔ انھوں نے کبھی بھی شہرت کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنایا۔ چونکہ ان کی زوجہ بھی کتابوں کا مطالعہ کرتی تھیں اور ان کے گھر کا ماحول کافی فرحت بخش تھا اس لیے ان کو قلبی سکون میسر تھا جس کو مصنف شاہد احمد دہلوی نے "گھر کا آرام" کہا ہے۔ ان کو اپنی خانگی زندگی میں کوئی مسئلہ بھی درپیش نہ تھا۔

سوال نمبر 2 (الف) (vii) خلاصہ :-

مرزا محمد سعید کو کتابوں کا مطالعہ کرنا بے حد پسند تھا۔ اس باعث اپنی پنشن کی زیادہ رقم سے کتابیں خریدیں۔ وہ بڑے بامروت اور با اصول انسان تھے۔ وہ عوامی پلیٹ فارم پر آنا پسند نہ کرتے تھے اور نہ ہی سواری کا استعمال کرتے۔ وہ بڑے خوش مزاج انسان تھے۔ وہ کھیل تماشوں سے بھی دور رہتے تھے۔ انھوں نے کافی سادہ زندگی بسر کی۔

سوال نمبر2 (الف)(viii)

سوال نمبر 2 (ب) (i) **محبانِ وطن کو تلقین:**

شاعر احسان دانش نے اس شعر میں "محبانِ وطن" کو ملک و قوم کی خدمت کرنے کی تلقین کی ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ وطن کے رہنے والوں کو چاہیئے کہ اپنے ذمے عائد کردہ فرائض پوری جانفشانی سے ادا کریں تاکہ ہمارا پیارا وطن ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکے۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ وطن کی خدمت کریں اور اپنے فرائض بھرپور طریقے اور احسن طریقے سے ادا کریں۔

سوال نمبر 2 (ب) (ii) **ماضی کی داستانوں کی امین:-**

درۂ خیبر کے کالے، سیاہ سنگلاخ پہاڑ ماضی کی داستانوں کے امین ہیں کیونکہ وہ تہذیبوں، فوجوں اور مختلف حملہ آوروں کے عروج و زوال اور فنا و بقا کی تاریخ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان چٹانوں نے ماضی میں غوری، غزنوی، ابدالی، بابر اور دیگر لشکروں کو یہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے اس لیے یہ پہاڑ آج بھی ان کی داستانوں کی امانت دار ہیں۔ یعنی ان کی شاہد ہیں۔

سوال نمبر 2(ب) (iii) **کائنات کا وجود میں آنا:-**

رب العزت نے اس کائنات کو ایک لفظ "کن" کہہ کر بنایا ہے - دراصل لفظ کن کے معنی ہیں ہو جا یا بن جا" - ہمارے پیارے رب نے اس کائنات کو محض سات دنوں میں تخلیق کیا اور تخلیق کے لیے لفظ "کن" فرمایا -

سوال نمبر 2 (ب) (iv) **پھولوں کا رنگ ہنسی سے ملنے کا مفہوم:-**

شاعر اپنے محبوب کے سراپے کا بیان کرتے ہوئے کہہ رہے
ہیں کہ آج تو ~~اس کی~~ پھولوں کا رنگ اس کے محبوب
کی ہنسی سے مشابہت رکھتا ہے۔ دراصل اردو شاعری
کی روایت ہے کہ محبوب بڑا ہی حسین و جمیل ہوتا ہے
اس لیے اس روایت کے پیش نظر شاعر اپنے محبوب کے
سراپے کا بیان کرتے ہیں۔

سوال نمبر 2 (ب) (v)

اس شعر کے دو معانی ہیں۔ پہلا معنی "حقیقی" ہے اور دوسرا معنی "اردو شاعری کی روایت کے بارے میں ہے"۔ شاعر کہتا کہ اے محبوب! ہمیں ایک عرصے سے تیری یاد نہیں آئی لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم تم کو مکمل طور پر بھول گئے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہم تجھ کو کافی وقت سے یاد نہیں کرتے اور دنیا کی زینت میں ڈوب گئے ہیں لیکن ہمارا دل تیری یاد سے مکمل غافل نہیں ہے۔

سوال نمبر 2 (ج) (i)

صنعت تلمیح

لغوی معنی: تلمیح عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "اشارہ کرنا"۔

اصطلاحی معنی: - اصطلاح میں جب کوئی شعر کسی قرآنی آیت، واقعہ یا ضرب المثل کی طرف اشارہ کرے تو اس کو صنعت تلمیح کہتے ہیں۔

مثال:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

وضاحت: - یہ شعر اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں پھینکا۔

↔

سوال نمبر 2 (ج) (ii)

جملہ: — یہ جملہ "جملۂ فعلیہ ہے"۔

ترکیبِ نحوی:

مہمانوں	فاعل
نے	علامتِ فاعل
کھانا	مفعول
کھایا	فعلِ تام

جملۂ فعلیہ:

(فاعل، علامتِ فاعل، مفعول، فعلِ تام)

سوال نمبر 2 (ج) (iii)

مجاز مرسل کی ایک صورت :

ظرف بول کر مظروف مراد لینا: ظرف سے مراد ہے "برتن" اور مظروف سے مراد ہے "برتن کے اندر کی چیز"

مثال: اس نے بوتل پی۔

وضاحت: بوتل ظرف ہے۔ اور اس کے اندر کا کوئی شربت مظروف ہے۔ بوتل نہیں پی جاتی بلکہ اس کے اندر موجود مشروبات کو لوگ پیتے ہیں۔

سوال نمبر2(ج) (iv)

نثر پارے کی تشریح:

حوالۂ متن:

سبق کا نام:- نام دیو مالی

مصنف کا نام:- مولوی عبدالحق

تشریح:-

تشریح طلب نثر پارہ سبق "نام دیو مالی" سے ماخوذ ہے۔ مصنف کا شمار بلند پایہ ادبا میں ہوتا ہے۔ نام دیو مالی مقبرہ رابعہ درانی اورنگ کے باغ کا مالی تھا اور وہ بہت ساری خوبیوں کا حامل تھا۔

زیر تشریح نثر پارے میں مصنف نام دیو مالی کی خصوصیات بتا رہے ہیں۔ نام دیو مالی بہت محنتی مالی تھا۔ وہ دھوپ، چھاؤں یا گرمی، موسمی شدت سے بے نیاز ہر وقت کام کرتا اور اپنے پودوں کا خیال ایسے رکھتا جیسا کہ والدین اپنی اولاد کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ اپنے اضافی وقت میں بھی پودوں کا خیال رکھتا اور کبھی یہ خیال نہ کرتا کہ وہ بہت زیادہ کام کرتا ہے۔ اسی لیے اس کا کام باقی تمام مالیوں سے زیادہ اچھا ہوتا۔ وہ کسی سے نفرت نہ کرتا تھا۔ بقول شاعر:-

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

"فخر" یا "غرور" جیسے منفی جزبات کو وہ اپنے پاس ہی نہ آنے دیتا اسی باعث اپنے کام میں مشغول رہتا۔

4 خون دل دے کر نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

نام دیوما لی سب کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھتا، سب کی مدد کرتا اور ضرورت کے وقت ضرورت مند افراد کی مدد اور خدمت کرنے کو عار نہ جانتا - وہ اتنا نیک اور پر خلوص تھا کہ اس کو خود کو بھی یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ بے حد نیک ہے۔ اگر "نیکی" کے بارے میں بات کی جائے تو اس کو کرنے کے تین اسباب ہوتے ہیں - اوّل جہنم کے ڈر سے، دوم جنت کی چاہت میں اور سوم اس لیے تاکہ انسان لوگوں کے کام آئے اور اپنے ذمے عائد کردہ فرائض بخوبی ادا کرے - نیکی تب تک نیکی رہتی ہے جب تک انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ نیک ہے - ایک دفعہ جب اس کو یہ لگنے لگا کہ وہ نیکی کر رہا ہے تو اس کی نیکی ریاکاری میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

شعر نمبر 1: مفہوم: اے مسلم نوجوانو! کبھی تم نے اتنا بھی ~~سوچا~~ غور کیا ہے کہ تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو۔ وہ قوم جو ایک آسمان کے مانند تھی جس کے تم ایک ٹوٹے ہوئے تارے ہو۔

تشریح: شاعر علامہ محمد اقبال رح نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی۔ اس شعر میں وہ نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ کیا انھوں نے اتنا ~~سو~~ غور کیا ہے کہ ان کے اسلاف کس درجۂ بلند پر فائز تھے۔ شاعر نے اسلاف کے لیے "گردوں" کا استعارہ استعمال کیا ہے کہ وہ علم و فن، اخلاق و کردار اور تہذیب و شائستگی کے حوالے سے دنیا کے لیے قابلِ رشک عزنہ تھے۔ دنیا کے امام اور پیشوا تھے۔ وہ عدل و انصاف، توکل و قناعت، تقویٰ و پرہیزگاری جیسے اوصاف سے آراستہ تھے جبکہ آج کے مسلمان کام چوری، بالتونی، سستی اور کاہل ہیں۔ اسی لیے شاعر نے ان کو "ٹوٹے ہوئے تارے" ~~سے تعبیر کیا~~ کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ نوجوان اپنی ناکامی کے اسباب کا جائزہ لیں تاکہ کھویا ہوا عظمت و وقار حاصل کریں۔

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو | غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو | جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

شعر نمبر ۲: **مفہوم:** تمہیں اس قوم نے پروان چڑھایا ہے جس نے ایران کے مشہور ساسانی خاندان کے بادشاہ دارا کے تخت و تاج کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تھا۔

تشریح: شاعر کہتے ہیں کہ تمہارے اسلاف نے قوت ایمانی کے بدولت اپنے وقت کی طاقتور ترین فوجوں کا سامنا کیا اور ان کی عظمت کو پاش پاش کر دیا۔ دارا ایران کا بادشاہ تھا (۳۳۸ ق-م تا ۵۵۹ ق-م)۔ اس نے ایران میں عظیم الشان محلات تعمیر کروائے اور اپنی حکومت کو وسعت دی۔ اس پس منظر میں علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ تمہارے اسلاف نے ایران جیسی فوج کا مقابلہ کیا حالانکہ ان کے پاس دنیاوی ساز و سامان نہ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں مسلمانوں نے ۳ لاکھ ایرانی فوج کو شکست دی۔ مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص تھے اور رستم پہلوان ایران کا سپہ سالار تھا۔ اس وقت میں جنگ کے قانون کے مطابق مارے جانے والے کا سامان قتل کرنے والے مجاہد کی ملکیت ہوتا تھا۔ حضرت بلال بن اعلقمہؓ نے دارا کے تاج کو پہنے ہوئے شہزادے کو قتل کیا اور اس تاج کو (جس پر بیش قیمت ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے)، پاؤں کی ٹھوکر مار کر مال غنیمت کی جگہ دھکیل دیا۔ ؂ مٹا یا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ

شعر نمبر1: **مفہوم**: - میرے ذہن میں خوشی کے کوئی لمحات نہیں ہیں - مجھے جب بھی ماضی کے متعلق کچھ یاد آیا تو ہمیشہ وہ درد اور دکھ کے لمحات ہی تھے -

تشریح: - اداجعفری کا شمار بلند پایہ غزل گو شعراء میں ہوتا ہے - غم دوراں اور غم جاناں پر مبنی ان کی شاعری معاملات محبت و عشق اور زندگی کی تلخیوں کے بارے میں بتاتی ہے - تشریح طلب شعر میں شاعرہ کہتی ہیں کہ ان کے ماضی میں خوشی اور مسرت کے لمحات بالکل نہیں ہیں - ان کو جب بھی ماضی کے متعلق کچھ یاد آیا تو وہ دکھ اور غم پر مبنی واقعات تھے - دراصل ایک شاعر کے کلام پر اس کی ذاتی زندگی کے گہرے اثرات ہوتے ہیں - اس اصول کی روشنی میں اداجعفری کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی مصائب و آلام اور مسائل و مشکلات سے دوچار تھی - اسی لیے شاعرہ کہتی ہیں کہ ان کے تصور میں خوشی کے لمحات ہیں ہی نہیں - دراصل جن لوگوں پر زندگی آزمائش کے پہاڑ توڑتی ہے وہ ہمیشہ کے لیے اداس اور غمگین ہو جاتے ہیں - شاعرہ کے معنی یہ بھی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ چونکہ ان پر شاعرانہ عاشق نے کبھی نظر کرم نہیں کیا اس لیے وہ ہمیشہ کے لیے غمگین رہی ہیں -

کہ بند کر دے ماضی کا دریچہ مجھ پر
اب اس آئینے میں صورت نہیں دیکھی جاتی

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

شعر نمبر ۲: **مفہوم**: اگر میرے مقدر میں صبح نہیں ہے تو شام ہی صحیح، میں محبوب کے لیے آرزو کی راہ تاروں سے سجا دوں گی۔

تشریح: تشریح طلب شعر میں شاعرہ کہتی ہے کہ اگر میرے نصیب میں صبح نہیں ہے تو ہم شام پر ہی راضی ہو جاتے ہیں۔ دراصل اردو شاعری میں صبح "کامیابی اور خوشی کی علامت" سمجھی جاتی ہے جبکہ شام "ناامیدی اور اداسی" کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ اس اصول کی روشنی میں شاعرہ اپنے مشکل حالات پر اپنی مثبت سوچ کا اظہار کرتی ہیں کہ اگر میری زندگی میں صبح نہیں ہے تو کوئی بات نہیں ہے ہم اپنے محبوب کے لیے رات کو ہی تاروں سے عشق کی راہ کو سجائیں گے۔ اس شعر میں شاعرہ شاعرانہ محبوب سے (جو کہ حسن کا پیکر ہوتا ہے) اس سے والہانہ وابستگی کا اظہار اس بات سے کر رہی ہیں کہ اگر ان کے نصیب میں صبح نہیں ہے تو وہ ~~رات کو~~ شام کو ہی تمنا کے شہر کی راہ کو تاروں سے سجا لیں گی۔

س۹ یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے

کہانی: عنوان: جھوٹ کی سزا یا شیر آیا یا شیر آیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بستی میں ایک گڈریا رہتا تھا۔ وہ اپنی شرارتوں کے لیے پوری بستی میں کافی مشہور تھا۔ چونکہ بستی سے تھوڑے سے فاصلے پر ایک ہرا بھرا پہاڑ تھا اس لیے وہ اپنی بکریوں کو روزانہ اس پہاڑ پر لے کر جاتا۔ پہاڑ کے پاس ایک جنگل تھا جس میں بہت بڑا شیر رہتا تھا۔ گڈریا کو شرارت کرنے کا خیال آتا تو وہ اونچی آواز میں چیختا: "شیر آیا! شیر آیا!" گاؤں والے اس کی حفاظت کے ارادے سے اپنی کلہاڑیاں اور دیگر سامان اپنے ساتھ لے کر جاتے اور اس کو بچانے کی کوشش کرتے۔ جب وہاں پہنچتے تو الگ ہی نظارہ دیکھتے کہ لڑکا بالکل صحیح سلامت ہے اور ہنس رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام بکریاں شوق سے گھاس کھا رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر سب کسان شدید غصے میں آتے۔ گڈریا کہتا: میں تو شرارت کر رہا تھا۔ اصل میں یہاں کوئی شیر نہیں آیا اور اگر آ بھی گیا تو میں اس کو بھگا نکالوں گا۔" یہ سنتے ہی کسان بہت غصہ ہوئے۔ اس نے اپنی شرارت کو جاری رکھا اور بہت دفعہ ایسی حرکات کی۔ ہر بار کسان اپنا کام چھوڑ کر اس کو بچانے کی غرض سے پہاڑی کی طرف جاتے لیکن ہر بار لڑکے کو خوش و خرم

صحیح سلامت اور ہنستا ہوا پاتے - اس کو گاؤں
کے مقامی لوگوں ~~کے~~ نے بہت بار سمجھایا کہ کہیں
ایسا نہ ہو کہ اصل میں کسی دن شیر آجائے اور
اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑ جائے - ان تمام
باتوں کا لڑکے پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ ٹس سے مس
نہ ہوا - اس نے اپنی شوخی و شرارت کو نہ چھوڑا -
آخر کار ایک دن ~~واقع میں ہیا~~ لڑکا حسب معمول
اپنی بکریوں کو پہاڑ پر لے کر گیا تاکہ وہ نرم اور تازہ
گھاس کھا سکیں - اسی وقت نا جانے کہیں سے
جنگل کا موٹا تازہ شیر آگیا اور چند ہی منٹ میں اس
شیر نے لڑکے کی تمام بکریوں کو چیر پھاڑ کر مار دیا -
اب لڑکا ڈر گیا اور پہاڑی پر چڑھ کر اونچی
آواز میں چیخنے لگا : "شیر آیا ! شیر آیا !" - گاؤں
کے لوگوں کو یہ لگا کہ لڑکا اس بار بھی شرارت
کر رہا ہے اس لیے وہ اس کو بچانے نہ گئے اور لڑکے بھی
زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا - جب لڑکا رات تک گھر واپس نہ
آیا تو اس کے بڑے بھائی اور کسان اس کو تلاش کرنے
پہاڑ پر گئے - انھوں نے دیکھا کہ ہر طرف خون تھا اور
لڑکے کی لاش بھی ایک طرف پڑی تھی - افسوس کہ
لڑکے نے جھوٹ کی بڑی سزا پائی جس کی وجہ سے ~~وہ~~ اس نے
اپنی جان جیسی قیمتی چیز سے ہاتھ دھو لیا -

نتیجہ :- جھوٹ بولنے کا برا انجام ہوتا ہے -
← ہمیں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے -

سوال نمبر 7 (صفحہ نمبر 1) مضمون نویسی :-

حبِ وطن

وطن سے مراد وہ خطہ ہے جہاں انسان آنکھ کھولتا ہے - اس جگہ میں اس کی زندگی کے اہم پہلو یعنی بچپن، عہدِ شباب اور بڑھاپہ گزرا ہوتا ہے لہٰذا اس سے محبت ایک فطری امر ہے - یہ جذبہ نہ صرف انسان بلکہ دیگر جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے -

وطن پہ فدا ہے جو انسان ہے
کہ حبِ وطن جزوِ ایمان ہے

حبِ وطن کا جذبہ ہر انسان میں پایا جاتا ہے اور عربی کے قول کے مطابق اسے اتنی اہمیت حاصل ہے کہ انسان کا ایمان اس کے بغیر نہ ممکن ہے - اگر ہم غور کریں تو ہمیں یہ معلوم ہو کہ ایک بلی بھی اس جگہ سے جہاں وہ رہتی ہو بے حد محبت کرتی ہے اور اس کی جدائی میں رہنا اس کے لیے ناممکن ہے - اگر اس کو ہم دو چار میل اس کے ٹھکانے سے دور لے جائیں تو وہ ہم سے پہلے اپنے گھر تک واپس آجائے گی -

اسلامی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ حضرت یوسف ؑ مصر کی بادشاہت حاصل ہونے کے باوجود اپنے آبائی وطن کنعان کو نہ بھول سکے اور ان کو ہر وقت اپنے وطن کی یاد آتی - حضرت محمد ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے وقت خانہ کعبہ کی طرف رخ کیا اور کہا کہ " تو مجھے بہت عزیز ہے لیکن کیا کروں تیرے

باشندے مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔" شیخ سعدیؒ نے حضر فرمایا کہ "مجھے اپنا وطن حضرت سلیمانؑ کے تخت و تاج سے زیادہ عزیز ہے"۔

حبِ وطن کے جذبے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے وطن پر جب بھی مشکل وقت آتا ہے تو یہی جذبہ وطن کے لیے مفید ثابت ہوتا ہے۔ حب وطن کے جذبے کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے ذاتی مفادات پر ملکی مفادات کو ترجیح دے اور مشکل وقت میں جان جیسی قیمتی چیز قربان کرنے سے دریغ نہ کرے۔

اے وطن! تونے پکارا تو لہو کھول اٹھا
تیرے بیٹے تیرے جانباز چلے آتے ہیں

حبِ وطن کا جذبہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ انسان اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وطن کی مضبوطی اور استحکام کے لیے استعمال کریں اور اپنے ذمے عائد کردہ فرائض پوری جانفشانی سے ادا کریں۔

پردیس میں انسان ~~سب~~ تو ~~کما~~ حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کا دل ہمیشہ اس کے دیس میں اٹکا رہتا ہے وہ اپنے دیس کے علاوہ کہیں پر بھی ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل نہیں کر پاتا۔

وطن کے ببول اگر کانٹے تو بھر لے اپنے دامن میں
اگر ہوں پھول پردیسی تو منت چھوٹے وفا ہوں گے۔

یہ ایک عام خیال ہے کہ اپنے وطن سے محبت نہ کرنے

والوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔
ایسے لوگ کسی سے بھی محبت نہیں کر سکتے۔
یہ جذبہ انسان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ وطن کی
راہ میں فنا ہو جائے۔

> بیزار ہیں جو لوگ جذبۂ حب الوطنی سے
> وہ لوگ کسی سے بھی محبت نہیں کرتے

اپنے پیارے ملک کے شہری ہونے کے ناطے ہمیں
چاہیئے کہ اس جذبے کو اپنے اندر پیدا کریں اور اپنی
آگے آنے والی نسلوں میں اس کو فروغ دیں۔ اس
کی عملی صورت یہ ہے کہ ہماری نصابی کتابوں میں اس
کے متعلق معلومات فراہم کی جائے تاکہ نئی پود اس
جذبے سے سرشار ہو کر ملک و قوم کی خدمت کرے
اور ہمارا پیارا وطن ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو۔
والدین کو اپنی اولاد کو اس جذبے سے سرشار کرنا ہوگا۔
یقیناً اس سلسلے میں ماں بہت بڑا کردار ادا کر سکتی
ہے۔ اساتذہ کو اپنے شاگردوں کو حب وطن بنانا ہوگا
اور ہم چونکہ اپنے ملک کا مستقبل ہیں اس لیے ہمیں
خود کو ایک محب وطن شہری کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔
ایک محبِ وطن شہری ہونے کے ناطے ہمارا فرض
ہے کہ اپنی چاہتوں کا مرکز اور اپنی سوچوں کا محور
اپنے وطن سے لوث محبت اور وطن کی خدمت کو
رکھیں۔

> ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کر
> اس ملک کو رکھنا میرے بچوں سنبھال کر